قوم فروش لیڈر عوامی عدالت میں

شیخ صاحب اور ان کی جماعت کا تاریخی اور سیاسی جائزہ

"قومے فروختند چہ ارزاں فروختند"

سنہ ۱۹۴۷ء سے لے کر آج تک شیخ صاحب کا سیاسی پس منظر، الحاق پر متضاد بیانات، رائے شماری محاذ کا قیام، موئے مقدس کی تحریک سے حاصل شدہ قومی اتحاد کا توڑ، کشمیر اکارڈ، کانگریسیوں کے ایثار اور رحم و کرم پر اقتدار کا حصول دفعہ ۳۷۰ اور لینڈ گرانٹس بل، سبسڈی کا خاتمہ ایک سازش۔ اوقاف اسلامیہ اور قومی سرمایہ پر دست درازی۔ کنبہ پروری۔ اندرا اور سنجے کی مداحی۔ ایمرجنسی کا غلط استعمال، کانگریس غلاظت کا ڈھیر ہے، شیخ صاحب پر عدم اعتماد، شیخ صاحب کی متلون مزاجی، جے پرکاش نرائن کی بیعت کرنے میں ناکامی، سجدۂ سہو، کلمۂ شریف میں تحریف مولانا فاروق کی جنتا کو حمایت کا اعلان، جنتا پارٹی کے امیدوار، وادی بھر میں جنتا کی موافق لہر اندرونی صفحات میں دیکھیے۔

از۔ ایم۔ اے راجدی سرینگر

قیمت ۵۰ پیسے

برِّ صغیر کی تقسیم اور ہند یونین کیساتھ الحاق

۱۹۴۷ء میں جب برِ صغیر ہند دو حصّوں میں بٹ گیا اور دنیا کے نقشے میں ایک عظیم اسلامی مملکت پاکستان کے نام سے اُبھر گئی تو اس کے فوراً بعد مغربی پاکستان کے سرحدی قبائلی نے کشمیر کو پاکستان کے ساتھ ملانے کے لیے کشمیر پر زبردست یلغار کی جس کی تاب نہ لاکر یہاں کے مہاراجہ ہری سنگھ اپنی رہی سہی فوج کو یہیں چھوڑ کر جموں بھاگ گئے۔ یہ وہ وقت تھا جب شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں ڈوگرہ شاہی کے خلاف "کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک زور و شور سے جاری تھی۔ اس موقعہ کو غنیمت جان کر شیخ صاحب نے جیسے پاکستانی لیڈروں کے ساتھ ذاتی اختلافات تھے، پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہند سے درخواست کی کہ وہ کشمیر میں اپنی فوجیں بھیج کر قبائل کو نکال باہر کردیں۔ پنڈت جی نے یہ درخواست منظور کی اور ہندوستانی فوجیں اپنے زمینی اور ہوائی حملوں سے قبائلی یلغار پسپا کرنے میں کامیاب ہوئیں۔ پھر بھی قبائلیوں نے ریاست کا ایک بہت بڑا اور اہم علاقہ کشمیر سے الگ کردیا جو آج آزاد کشمیر کے نام سے پاکستان کے ساتھ ملحق ہے۔ اقوام متحدہ کی اسی یقین دہانی پر کہ مسئلہ کشمیر پُرامن، منصفانہ اور باعزت طریقے سے حل کیا جائے گا، یہ جنگ بند ہوئی اور ایک عارضی جنگ بندی لائن بنائی گئی جو ابھی تک قائم ہے۔

جنگ بندی کے فوراً بعد پنڈت جواہر لال نہرو سرینگر آگئے اور لال چوک میں ایک عظیم اجتماع ہوا جس میں شیخ صاحب نے ہند یونین کے ساتھ کشمیر کے اٹوٹ الحاق کا ڈرامائی اعلان کردیا اور پنڈت جی کے ساتھ یارانہ جوڑ کر ایک اور اعلان کردیا ؎

من تو شدم تو من شدی　　من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں　　من دیگرم تو دیگری

لیکن تھوڑی ہی مدت کے بعد ۱۹۵۳ء میں جب انہیں یہ یارانہ مہنگا معلوم ہونے لگا تو انہوں نے الحاق کو عارضی اور مشروط قرار دیا چنانچہ شیخ صاحب کو صدر ریاست مسٹر کرن سنگھ نے گدی سے اتار کر قید و بند میں ڈالدیا اور انکی جگہ بخشی غلام محمد کو وزیر اعظم بنایا گیا۔ شری کرن سنگھ مہاراجہ ہری سنگھ کے فرزند ارجمند ہیں، لوگوں نے شیخ صاحب سے کئی بار خدشہ ظاہر کیا تھا کہ باپ کو نکال کر بیٹے کو صدر ریاست بنانا کیا معنی رکھتا ہے؟ شری شیخ صاحب نے اپنی مجبوری صرف ان لفظوں میں بیان فرمائی کہ "وہ برائے نام ہیں اور ان کے اختیارات محدود ہیں"۔ قید و بند کے دوران شیخ صاحب کے خلاف "کشمیر سازش کیس" کے نام سے بخشی وزارت نے ایک من گھڑت مقدمہ عدالت میں دائر کردیا۔ اس کیس میں جن سینکڑوں آدمیوں نے شیخ صاحب کے خلاف شہادت دی ان میں اکثر آدمی شیخ صاحب ہی کے حامی اور پروردہ تھے۔ تعجب یہ ہے کہ شیخ صاحب کے دوسالہ دورِ اقتدار میں یہ لوگ پھر شیخ صاحب کے گرد گھومتے اور کرسیوں پر براجمان دیکھے گئے۔

جیل سے رہائی کے بعد شیخ صاحب نے محاذِ رائے شماری کا قیام عمل میں لایا جس کے بانی صدر مرزا محمد افضل بیگ تھے۔ محاذِ رائے شماری کی اپنی تاریخ کے دوران شیخ صاحب نے جو بھی تقریریں کیں وہ مبہم، غیر واضح اور مایوس کن ہوتی تھیں اور سننے والا کسی نتیجے تک پہونچنے نہیں پاتا تھا۔ ان کی اکثر تقاریر قنوطیت اور ناعاقبت اندیشی ظاہر ہوتی تھی۔ شیخ صاحب عموماً اسٹیج پر لحنِ داؤدی میں تلاوت قرآن کرتے اور شاعرِ مشرقؒ کے ولولہ انگیز اور انقلابی اشعار بڑے ترنم کے ساتھ پڑھ کر عام لوگوں کے دل گداز بناتے تھے اور ان کے ذہنوں کو اپنی شاطرانہ چالوں کی طرف متوجہ ہونے سے بے نیاز بناتے تھے۔

درگاہِ حضرت بل کی تعمیرِ جدید

شیخ صاحب بہت مدت تک عملی سیاست سے الگ تھلگ رہے اور اس دوران آپ نے درگاہِ حضرت بل کو "مدینۂ ثانی" بنانے اور اسکی تعمیرِ نو کے لئے گھر گھر جاکر چندہ جمع کرنے کی مہم شروع کردی۔ اس سے قبل وہ ملہ کھاد کے قبرستان کو سنوارنے اور اُسے ایک مخصوص قبرستان بنانے کا پلان سوچ رہے تھے مگر بعد میں انکی خاطر عاطر درگاہِ شریف کی طرف مبذول ہوگئی۔ درگاہ کے نام پر آپ نے بے حساب اور بے اندازہ سرمایہ جمع کیا۔ اوقافِ اسلامیہ کی اپنی آمدن بھی آدھ کروڑ روپیہ سے متجاوز ہے۔ یہ سارا روپیہ درگاہ شریف کی تعمیرِ نو کے نام پر مختلف اور نامعلوم مدوں پر صرف کیا جاتا ہے۔ اپنے آدمیوں کو اوقاف اسلامیہ کے اہم عہدوں پر لاکر موٹی موٹی تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ سیاسی کارکنوں کو بھی یہیں سے دانہ پانی ملتا ہے۔ اور مختلف بہانوں سے اوقاف کا روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ اپنے مدح خوانوں کو قرضِ حسن کے نام پر بڑی بڑی رقمیں دی جاتی ہیں اور نہ معلوم کیا سے کیا ہوتا ہے؛ غرض درگاہِ شریف کی تعمیر جیبیں گرم کرنے اور پارٹی پوزیشن مضبوط بنانے کے لئے ایک بہانہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کئی سال بیت جانے کے باوجود درگاہ شریف کی تعمیرِ نو میں کوئی خاصی پیش رفت دیکھی نہیں جاتی ہے۔

موئے مقدس کی تحریک

دسمبر ۱۹۶۳ء میں ایک سازش کے تحت درگاہِ حضرت بل میں آنحضرتؐ کا موئے مقدس چرایا گیا جس کی بازیابی کے لئے ساری کشمیری قوم ایک عظیم اور متحدہ طاقت کی صورت میں اُبھر گئی۔ گیارہ دن تک وادی بھر کے کاروباری ادارے بند اور سرکاری دفاتر ویران پڑے ہوئے تھے۔ ساری آبادی شدید سردی کے باوجود سڑکوں پر محوِ احتجاج تھی۔ خورد ونوش کے لئے سڑکوں پر بڑے بڑے چولھے جلائے جارہے تھے، سرکاری ایڈمنسٹریشن بے دست و پا رہ گئی تھی۔ حضرت مفکرِ کشمیر مولینا محمد سعید مسعودی اس انقلاب کے ہیرو تھے۔ آپ نے ہر مکتبِ خیال کے لوگوں پر مشتمل ایک ایکشن کمیٹی عمل میں لائی اور اتفاقِ رائے سے قائدِ کشمیر جناب مولینا محمد فاروق کو ایکشن

کمیٹی کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔ ۲۱ مارچ ۱۹۶۴ء کو الیکشن کمیٹی نے جامع مسجد سرینگر میں ایک عظیم اجتماع کے سامنے اپنی اور تجاویز کے ساتھ شیخ صاحب کی رہائی کے لئے مطالبہ کرنے کی تجویز بھی منظور کروائی۔ چنانچہ تھوڑی ہی مدت کے بعد شیخ صاحب جیل سے رہا کر دئے گئے جو بخشی صاحب کے دور سے برابر جیل کاٹ رہے تھے۔

شیخ صاحب کا کارنامہ

اپنی رہائی کے فوراً بعد شیخ صاحب نے جو عظیم کارنامہ انجام دیا وہ یہ ہے کہ تحریک موئے مقدس کے طفیل کشمیری عوام کو جو تاریخی اتحاد اور شیرازہ بندی حاصل ہوئی تھی، مولانا فاروق کی بڑھتی ہوئی شہرت اور عوامی مقبولیت سے ڈر کر اُسے پارہ پارہ کر دیا، اور کشمیریوں کے ذہنوں کو جو مدت کی ارمانوں کے بعد ایک پرچم کے نیچے جمع ہوئے تھے جھنڈے اور ڈنڈے بازی کی طرف منتقل کر دیا اور "پھوٹ ڈالو حکومت کرو" کی پالیسی کے تحت بے خبر عوام کو افسانے سنا سنا کر آپس میں لڑا دیا جو ابھی تک آپس میں دست و گریبان ہیں حالانکہ لوگ بخشی غلام محمد کے طویل دورِ وزارت میں لڑائی جھگڑوں کے تصورات تک ذہن سے محو کر چکے تھے اور سیاسی شعبدہ بازی سے نجات پا کر سکون اور فارغ البالی کی زندگی گذار رہے تھے۔

وہ چمن جو شیخ صاحب نے خود سنوارا تھا اور جس کی آپ نے خود آبیاری کی تھی اوروں کے ہاتھ میں دیکھنا اُن سے برداشت نہ ہو سکا۔ وہ اُس کرسی کو جسے آپ نے ۵۳ء میں لات ماری تھی اوروں سے چھڑانے اور خود اس پر براجمان ہونے کے لئے کشمیری سیاست کو نئی طرح دینے لگے۔ اتفاق سے ۱۹۷۱ء کی ہند پاک جنگ اور مشرقی پاکستان کی بغاوت کی وجہ سے اس کا مشرقی بازو کٹ گیا۔ شیخ صاحب نے وقت کی نزاکت کا پورا فائدہ اٹھایا اور اندرا گاندھی کے مشورے پر لداخ سے لیکر راس کماری تک اندرا سرکار کے حق میں بھرپور مہم چلائی اور اندرا اور سنجے کی مدح میں زمین و آسمان کی مسافت جوڑ دی۔ شیخ صاحب ہندوستان کے لوگوں کو یہ باور کرا رہے تھے کہ اب نئے حالات میں وہ کشمیر میں رائے شماری کے حق میں نہیں ہیں کیونکہ مشرقی پاکستان کی بغاوت اور علیحدہ مملکت بن جانے سے مسٹر محمد علی جناح کا دو قومی نظریہ کھوکھلا ہو گیا ہے۔

اس مہم کے بعد محاذ رائے شماری پر پابندی لگ گئی اور کشمیریوں کو "عزت و آبرو کا مقام" دلانے کے لئے شیخ صاحب اور اندرا جی کے نمائندوں مرزا محمد افضل بیگ اور شری پارتھا سارتھی کے درمیان مذاکرات ہونے لگے۔ شیخ صاحب نے بار بار وعدہ کیا کہ مذاکرات کے نتائج سے قوم کو آگاہ کیا جائے گا اور لوگوں کی منظوری کے بعد ہی اس پر عملدرآمد ہوگا۔ لیکن لوگوں نے مذاکرات کے نتائج کی تفصیل شیخ صاحب کی زبان سے نہیں بلکہ آل انڈیا ریڈیو سے سنی جس میں کہا گیا کہ مسز گاندھی نے مذاکرات کے ماحصل پر پارلیمنٹ میں ایک تفصیلی بیان دیا اور شیخ صاحب کو اقتدار حوالہ کرنے کے لئے پارلیمنٹ ممبروں کی رضامندی حاصل کی۔ لوگ منتظر تھے کہ شیخ صاحب بڑے

بڑے مراعات، اپنی تحفظات اور اختیارات کی جھولی بھر کر لا سکتے مگر نام نہاد کشمیر اکارڈ کی تفصیلات نے ان مذاکرات کو "کھودا پہاڑ نکلا چوہا" والا معاملہ بنا دیا۔ دراصل کشمیر اکارڈ کے پسِ پردہ شیخ صاحب دفعہ ۳۷۰ کا سودا کر چکے تھے جس کی لینڈ گرانٹس بل اور آئین ہند کی ۴۲ ویں ترمیم کی حمایت سے تائید ہوتی ہے۔ اس کے بعد جموں و کشمیر کے وزیر اعلیٰ سید میر قاسم نے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور کشمیر اسمبلی نے جس میں کانگریسی ممبروں کو قطعی اکثریت حاصل تھی شیخ صاحب کو اپنا پارٹی لیڈر چُن لیا۔ ۱۰ مارچ ۱۹۷۵ء کی صبح کو گلاب بھون جموں میں شیخ صاحب نے حلف اُٹھانے میں آدھ گھنٹے کی دیر لگا دی، وہ بحیثیت وزیر اعظم حلف اُٹھانا چاہتے تھے مگر مجبوری تھی کہ علی رغم الاعداء بحیثیتِ وزیر اعلیٰ ہی حلف اُٹھانا غنیمت جان گئے۔

شیخ صاحب نے اقتدار سنبھالنے سے قبل کئی بار کہا تھا کہ غداروں، وطن فروشوں، غیر یقینی حالات میں پلنے والوں کا یوم حساب آرہا ہے، انہوں نے بلند بانگ اعلان کیا تھا کہ کشمیر کی معاشی حالت کی کایا پلٹ دی جائے گی۔ رشوت ستانی، اقربا پروری کا خاتمہ کیا جائے گا لیکن پھر کیا ہُوا، دو چار بڑے بڑے انڈین ایڈمنسٹریٹو آفیسرز کی سروس مرکزی حکومت کو واپس کر دی گئی جن کے ساتھ انکو ذاتی عناد تھا۔ کئی آفیسروں کو یا تو قبل از وقت ریٹائر کر دیا گیا یا اُنہیں اہم عہدوں سے ہٹا دیا گیا۔ نہ کسی کا محاسبہ ہوا نہ کسی کی گرفت۔ نہ زمین ہلی اور نہ ہی گُل محمد ہلا۔ ہاں انقلاب تو یہ آیا کہ رشوت ستانی اور اقرباء نوازی کے سارے سابقہ ریکارڈ توڑ دئے گئے۔ بہت سے افسروں کی سینیارٹی کو پامال کر کے اپنے بیٹے طارق عبداللہ کی فسٹ ایوئنٹمنٹ ٹورسٹ کارپوریشن کے مینیجنگ ڈائرکٹر کی اسامی پر کر دی جہاں مسٹر طارق نے سینکڑوں ملازمین کو سیاسی اختلاف پر نوکری سے الگ کر دیا۔ اپنے داماد غلام محمد شاہ کو سپلائز منسٹر بنا دیا جس پر خود شیخ صاحب نے اوقاف اسلامیہ سے لاکھوں روپے کے غبن کا الزام لگایا تھا۔ مسٹر شاہ نے وزیر بن کر اچھے چاولوں کی قیمت دیکر سڑے ہوئے چاول درآمد کر کے لاکھوں روپے کمائے۔ نانوائیوں، قصابوں، سبزی فروشوں اور دیگر متعلقہ پیشہ وروں سے اشیاءِ ضروریہ کی قیمتیں چڑھانے پر خاموشی اختیار کرنے کے معاوضے میں لاکھوں کا سرمایہ بنایا۔ تعجب ہے کہ شیخ صاحب کو ضلع سرینگر کے وسیع و عریض علاقے میں اپنی بیگم کے بغیر کوئی بھی شخص پارلیمنٹ نشست کے لئے موزون دکھائی نہ دیا۔

.... چشمۂ آفتاب را چہ گناہ؟

سبسڈی کا خاتمہ

کشمیری معاشیات میں انقلاب لانے کے سلسلہ میں جو پہلا قدم اُٹھایا گیا وہ سبسڈی کا خاتمہ تھا جس سے کشمیریوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ شیخ صاحب نے کہا کہ سبسڈی ایک خیرات ہے، میں اپنے عوام کا خیرات پر پلنا گوارا نہیں کرونگا۔ حالانکہ سبسڈی خیرات

نہیں ایک رعایت ہے جو کشمیریوں کو ان کی جغرافیائی پوزیشن، مفلوک الحالی اور غربت کی وجہ سے ہمیشہ سے دی جاتی رہی ہے۔ خود شیخ صاحب سبسڈی کے چاول کھا کر جوان اور اب بوڑھے ہو گئے۔ اگر وہ ان چاولوں سے بے ضمیر ہو گئے ہیں تو پھر انکی شکایت اور ان کا اندیشہ درست ہے۔

سبسڈی کے خاتمہ کا پس منظر

مہاراجہ ہری سنگھ کے وقت جب شالی سٹور کا قیام عمل میں آیا اُس وقت بھی شیخ صاحب نے اس کے قیام کی زبردست مخالفت کی تھی تاکہ غلہ داروں اور سرمایہ داروں کو چاولوں پر اجارہ داری مل سکے اور وہ جس بھاؤ چاہیں اُسے فروخت کریں۔ اُنہیں نہ غریب کسان کا فائدہ زیر نظر تھا نہ شہر کے قحط زدہ عوام کا خیال۔ سبسڈی کے خاتمہ سے شیخ صاحب اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ کشمیر کے غریب عوام پیٹ کی سیاست سے فارغ نہ ہونے پائیں گے اور وہ خود "ہونیو رؤستے" عید منا سکیں۔ ع این خیال است و محال است و جنون۔

لوگوں کی قوتِ خرید بڑھانے کے لیے نام نہاد اقدامات محض ایک دھوکہ ہے۔ ہزار گھرانوں میں سے ایک گھر کو ماہوار تیس چالیس روپے کی آمدن بڑھ جائے اور اُسے قوم کی قوتِ خرید بڑھانے سے تعبیر کیا جائے تو یہ فریب نہیں تو اور کیا؟ پھر امیدواروں کے انتخاب اور ماسٹروں کی اپوئنٹمنٹ میں جانبداری اور پارٹی سپرٹ سے کام لینا اس سے مستزاد ہے۔

ایمرجنسی کا نفاذ اور کشمیر پر اس کا اطلاق

محکمۂ خاندانی بہبودی وصحت عامہ کے موجودہ یونین منسٹر شری راج نرائن ۱۹۷۱ء کے انتخابات میں مسز اندرا گاندھی کے مقابلے میں رائے بریلی سے الیکشن لڑ رہے تھے جسمیں وہ ناکام ہوئے، مسٹر نارائن نے الہ آباد ہائی کورٹ میں اندرا گاندھی کے خلاف انتخابی عذرداری دائر کر دی اور ایک مدت کے بعد فاضل جج جسٹس سنہا نے اندرا گاندھی کے خلاف فیصلہ سُنا دیا اور فیصلہ پر عملدرآمد کرانے کے لئے بیس دن کی مہلت دیدی۔ فیصلہ کی رو سے اندرا جی کو اپنے عہدے سے مستعفی ہونا تھا مگر بیس دن کی مہلت کے دوران اس نے ملک میں ایمرجنسی کا نفاذ کیا جس کی رو سے اخباروں اور پریس پر سینسر شپ اور پابندی عاید کر دی گئی۔ مخالف لیڈروں کو دشمن کے ایجنٹ قرار دیکر قید و بند میں ڈالدیا گیا اور بہت سی جماعتوں کی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگادی گئی۔ زبان پر تالے لگا دئے گئے اور قلم کاروں اور صحافیوں کے ہاتھ شل کر دئے گئے۔ اس سے قبل جماعت اسلامی کشمیر کے دو ممبر ضمنی انتخابات لڑنے کے لئے شیخ صاحب اور بیگ صاحب کے مقابلے میں کھڑے ہوئے تھے۔ شیخ صاحب جماعت اسلامی کو اس "مجرمانہ جرأت" کی سزا دینے کے لئے موقعہ ومحل کی تلاش میں تھے۔

ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد شیخ صاحب نے جموں و کشمیر پر بھی اس کا اطلاق کروایا حالانکہ کشمیر کی خصوصی

پوزیشن کی وجہ سے مرکز نے ایمرجنسی کا اطلاق کشمیر پر نہیں کیا تھا۔ یہ خود شیخ صاحب ہیں جس نے دفعہ ۳۷۰ کی پوزیشن کمزور کردی۔ اب وہ لاکھ بار دفعہ ۳۷۰ کے متعلق اپنے خدشات ظاہر کریں یہ محض فریب اور انتخابی سٹنٹ ہے۔ غرض جموں کشمیر پر ایمرجنسی کا اطلاق ہونا ہی تھا کہ شیخ صاحب نے جماعت اسلامی کے پریس، روزنامہ اذان اور ۱۲۴ مدرسوں پر تالے لگوا دئے۔ ان مدارس میں تقریباً تیس ہزار بچے زیرِ تعلیم تھے اور تین چار سو افراد روزی کما رہے تھے۔ ان بچوں پر سرکاری مدارس کے دروازے بند کردئے گئے جس کی وجہ سے طلباء کی کثیر تعداد تعلیم چھوڑنے پر مجبور ہوئی۔

اندرا گاندھی کی شکست اور جنتا پارٹی کی جیت

مارچ ۱۹۷۷ء میں ملک بھر میں پارلیمانی انتخابات ہوئے جن کے نتیجے میں اندرا گاندھی اپنی نشست تک ہار گئی اور کانگریس اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ یہ شکست اندرا گاندھی اور کانگریس کی شکست نہیں بلکہ فسطائیت، آمریت، رجعت پسندی، سیاسی عصبیت اور ڈکٹیٹرشپ کی شکست ہے جسے اندرا سرکار نے زبردستی عوام پر ٹھونسا تھا مگر ہندوستان کے کروڑوں باشعور لوگوں نے ووٹ کی ایک معمولی پرچی سے کانگریسی نیتاؤں کے دماغ سے آمریت کے کیڑے چن چن کر نکالدئے اور انہیں انہی لوگوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جن کو انہوں نے ایمرجنسی کے نام پر پابند سلاسل بنا دیا تھا۔ یہ لوگ انتخابات سے پہلے مختلف پارٹیوں کے ساتھ وابستہ تھے مگر قوم کے عظیم مفاد کی خاطر انہوں نے اپنے اختلافات ایک طرف رکھ کر جنتا پارٹی کے نام سے ایک نئی پارٹی بنائی اور سب پارٹیوں کو اسی میں مدغم کر دیا۔ جنتا پارٹی نے ایک مختصر سی مدت میں اندرا سرکار کی آمریت کے ستون گرادئے اور بالآخر یہ پارٹی عوام کا بھرپور تعاون اور اعتماد حاصل کرنے اور جنتا حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ ان لیڈروں میں شری جے پرکاش نارائن، شری مرارجی ڈیسائی، شری بابو جگجیون رام، شری چرن سنگھ، شری اٹل بہاری واجپائی، شری سکندر بخت شری راج نرائن، ناناجی دیشمکھ اور شری رانا پرتاپ سنگھ قابلِ ذکر اور قابلِ مبارکباد ہیں۔

اندرا راج کو لڑھکتا ہوا دیکھ کر شیخ صاحب نے فوراً پینترا بدل دیا اور جنتا پارٹی کے لیڈروں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے فوراً بیان دیا کہ "کانگریس غلاظت کا ڈھیر ہے اور اندرا گاندھی ڈکٹیٹر بنی ہوئی ہے" حالانکہ ابھی شیخ صاحب کانگریسی ممبروں کے رحم وکرم پر ہی وزیرِ اعلیٰ کی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جنتا لیڈر شیخ صاحب کے پینتروں سے پہلے ہی واقف تھے، ان کی بے رخی دیکھ کر ان پر دباؤ ڈالنے کے لئے ایک اور بیان دیا کہ "کشمیر کا مسئلہ ابھی طے نہیں ہوا ہے اور یہ تب تک متنازعہ رہیگا جب تک پاکستان اس مسئلہ میں ایک فریق ہونے کا رٹ لگانا نہ چھوڑدے"۔ لیکن پھر بھی ناکام رہے۔

مسٹر جے پرکاش نرائن کی بیعت کے لئے بمبئی روانگی

شیخ صاحب مرکزی لیڈروں سے مایوس ہوکر شری جے پرکاش نرائن سے ملنے کے لئے جسلوک ہسپتال بمبئی چلے گئے جہاں شری نرائن زیر علاج تھے۔ شیخ صاحب نے ان کی ہمدردی اور حمایت حاصل کرنے کے لئے تابڑ توڑ کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوسکی۔

حالات تیزی سے بدل رہے تھے، جنتا سرکار قائم ہوگئی تھی، اچانک ایک روز شام کے وقت ریڈیو کشمیر نے یہ خبر سنائی کہ کانگریس ممبروں نے دو سال پہلے شیخ صاحب کو جو اعتماد دیا تھا، گورنر کے نام ایک خط میں انہوں نے وہ اعتماد واپس لے لیا ہے۔ عدم اعتماد کے بعد کشمیر کے گورنر مسٹر ایل کے جہا کو تب تک حکومت کا نظم و نسق سنبھالنے کا حکم دیا گیا جب تک کہ عام، آزادانہ اور منصفانہ انتخابات سے نئی سرکار وجود میں آجائے گی۔ چنانچہ جموں و کشمیر میں انتخابات کرانے کے لئے ۳۰ جون سے ۳ جولائی تک کی تاریخ کا اعلان کر دیا گیا اور نتائج کا اعلان ۵ جولائی تک کیا جائے گا۔

اس وقت جموں و کشمیر میں زبردست انتخابی مہم چل رہی ہے۔ ایک طرف نیشنل کانفرنس اپنی بے سروسامانی کے ساتھ قسمت آزمانے کے لئے میدان میں آئی ہے اور دوسری طرف ریاست کی ساری سیکولر اور جمہوری قوتیں متحد ہوکر برسوں کی آمریت، فسطائیت اور رجعت پسندی کے خلاف صف آرا ہیں۔ جماعت اسلامی نے ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنائی ہے اور کئی آزاد امیدوار بھی میدان میں آگئے ہیں۔

کشمیر میں سب سے پہلے جناب خواجہ غلام محی الدین قرہ نے جنتا پارٹی کی ریاستی شاخ کا قیام لال چوک میں عمل میں لایا۔ اس وقت ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں جنتا پارٹی کا جھنڈا لہرایا گیا اور صدر دفتر کا باضابطہ افتتاح کیا گیا۔ لوگوں کا زبردست جوش و خروش دیکھنے کے قابل تھا۔

حضرت مولانا مسعودی جنتا پارٹی کے سربراہ

وادی میں جنتا پارٹی کی شاخ قائم ہونے کے بعد خواجہ محی الدین صاحب قرہ تنظیمی امور پر بات چیت کرنے کے لئے مرکزی لیڈروں سے ملنے دہلی اور بمبئی چلے گئے جس کے نتیجے میں وزیر خارجہ شری اٹل بہاری واجپائی، پھر شری اشوک مہتہ، شری نانا جی دیش مکھ اور راجا پرتاپ سنگھ سرینگر کے دورے پر آگئے اور ان کی کوششوں کے نتیجے میں مفکر جلیل حضرت مولانا محمد سعید مسعودی نے اپنی نقاہت کے باوجود قوم کے عظیم مفاد کی خاطر جنتا پارٹی کے کنوینر کی حیثیت سے کام کرنے کی استدعا بکمال نوازش قبول فرمائی جو اس پیرانہ سالی میں ان کی بے باک جرأتمندی کی روشن قندیل ہے جس کی ضیا باری سے تمام محب وطن اور جمہور نواز دانشور آگے آرہے ہیں اور وطن عزیز سے فسطائیت، عصبیت اور آمریت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونسنے کے لئے آپ کو اپنا بھرپور تعاون دے رہے ہیں۔

قائدِ کشمیر جناب مولانا محمد فاروق اور جنتا پارٹی کی مکمل حمایت

قائدِ کشمیر جناب مولانا مولوی محمد فاروق صاحب جب سے کشمیر کے سیاسی افق پر نمودار ہوئے اپنے موقف پر چٹان کی طرح ڈٹے ہوئے ہیں۔ اپنے سیاسی سفر کی ابتدائی منزل سے آج تک ان کی راہ میں کون سی رکاوٹیں ہیں جو کھڑی نہ کی گئیں، کون سی مصیبتیں ہیں جن سے ان کو دوچار نہ کر دیا گیا۔ دشمن یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ جوانی اور دنیا کی رنگینیوں میں اپنا موقف گم کر دینگے، اُسے کیا پتہ تھا کہ جواں سال قائد گلشن کے خیال سے کانٹوں سے اُلجھنا بھی جانتے ہیں ؎

"ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا"

مولانا کو پابندِ زنداں بھی بنا دیا گیا مگر وہ نئے عزائم اور نئے حوصلوں کے ساتھ آگے بڑھے، اپنے بلند نصب العین اور عظیم آدرش کے حصول کے لئے وہ اپنی ذات، اپنا سرمایہ اور اپنی جواں سالی کے شب و روز قوم کے نام وقف کر چکے ہیں۔ کشمیر کی سیاست میں کئی مد و جزر آئے لیکن آپ نے اقتدار کے حصول کے لئے اپنے اصولوں کو کبھی قربان نہ کیا۔ وہ کسی کی مخالفت برائے مخالفت میں یقین نہیں رکھتے اور نہ کسی کی بے جا حمایت کرتے ہیں۔ ان کے پاس مخالفت اور حمایت کے بلند اصول اور عظیم آدرش ہیں۔ نیشنل کانفرنس کی مخالفت اور جنتا پارٹی کی حمایت سے کچھ لوگ منفی نتائج نکال کر ان کے خلاف مکروہ پروپیگنڈا کرنے میں منہمک ہیں۔ یہ لوگ اپنی عادت سے مجبور ہیں، یہ لوگ کسی معاملہ کو حقیقت کی کسوٹی پر نہیں بلکہ عقیدت یا نفرت کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو شخصیت پرستی کی مہلک بیماری میں مبتلا ہیں۔

مولانا فاروق نے میونسپل پارک امیراکدل میں ایک عظیم عوامی اجتماع کے سامنے جنتا پارٹی کے حق میں اپنی مشروط حمایت کا اعلان کر دیا اور فرمایا: "جنتا پارٹی کے جو اصول ہمارے سامنے ہیں جن کی بدولت وہ ہندوستان کے کروڑوں عوام کا اعتماد حاصل کرنے، آمریت اور فسطائیت کا خاتمہ کرنے اور ایک عظیم انقلاب لانے میں کامیاب ہوئی ہے، ان ہی اصولوں کے پیشِ نظر میں اور میری جماعت جنتا پارٹی کی حمایت کرتی ہے۔"

مولانا نے صرف زبانی حمایت پر تکیہ نہ کیا بلکہ وادی کے تینوں اضلاع میں بذاتِ خود عظیم اور تاریخی اجتماعوں سے خطاب کیا اور عوام سے اپیل کی کہ وہ ووٹوں کی بھاری اکثریت سے آمریت کا خاتمہ کر کے جنتا پارٹی کے امیدواروں کو کامیاب بنا دیں۔ مولانا کے انتخابی مشن سے وادی بھر میں ہل چل مچ گئی اور جنتا پارٹی نہایت تیز گامی سے وادی کے طول و عرض

ہیں مخالف صفوں کو تہہ و بالا کرتی ہوئی پھیل گئی۔

مرکزی لیڈروں کی آمد :- جب سے مرکزی لیڈروں نے جموں وکشمیر کے دورے پر آکر جنتا پارٹی کی ریاستی شاخ کی انتخابی مہم میں سرگرم حصہ لیا اور شہر کے علاوہ وادی کے دور دراز اور پہاڑی علاقوں میں جاکر انتخابی سرگرمیوں میں ریاستی شاخ کا ہاتھ بٹانا شروع کیا تب سے ریاست بھر میں غنڈہ گردی، ہلڑ بازی اور انتشار پسندی اپنی تنگ دامنی میں نابود ہو کر رہ گئی۔ اب وادی بھر میں جنتا کے حق میں ایک انقلابی لہر چل رہی ہے۔ جس کے پیشِ نظر کہا جاسکتا ہے کہ جنتا پارٹی کشمیر اسمبلی میں قطعی اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ مرکزی لیڈروں میں سے وزیرِ داخلہ شری چرن سنگھ، وزیرِ دفاع شری بابو جگجیون رام اور وزیرِ اعظم شری مرارجی بھائی ڈیسائی اور وزیرِ تعمیرات شری سکندر بخت نے خود کشمیر تشریف لاکر جنتا پارٹی کی انتخابی مہم میں ریاستی شاخ کو اپنا بھرپور تعاون دیا۔

دفعہ ۳۷۰ اور لینڈ گرانٹس بل کانگریسی کرم فرماؤں نے جب سے شیخ صاحب کو اپنی طاقت کا مزہ چکھادیا نیشنل کانفرنس نے اُسی وقت سے اور خاص کر انتخابی مُہم شروع کرنے کے ساتھ ہی یہ رٹ لگانی شروع کی کہ نیشنل کانفرنس واحد سیاسی جماعت ہے جو دفعہ ۳۷۰ کی حفاظت کرسکتی ہے اور اگر یہ جماعت برسرِ اقتدار نہ آئی تو مرکزی سرکار دفعہ ۳۷۰ کو کالعدم کرادیگی جس کے تحت ریاست جموں وکشمیر کو آئینِ ہند میں خصوصی پوزیشن حاصل ہے۔

لیکن کوئی نیشنل والوں سے پوچھے کہ لینڈ گرانٹس بل کیا تھا جسے شیخ صاحب نے اسمبلی میں پاس کرانے کے لیے پیش کیا تھا مگر ایوان کی اکثریت نے اس پر اعتراض کیا۔ اس بل کی رو سے ہندوستان کے سرمایہ داروں کو کشمیر میں سرمایہ کاری اور صنعتوں کے قیام کے لئے ایک سو سال تک زمین فراہم کرنا مقصود تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ بل منظور ہو جاتا تو غریب کشمیری بھارت کے سرمایہ داروں کے ہاتھوں بک جاتے اور دفعہ ۳۷۰ بے اثر ہو کر رہ جاتی۔

آئینِ ہند کی ۴۲ ویں ترمیم اس کے علاوہ ایمرجنسی کے دوران آئینِ ہند کی ۴۲ ویں ترمیم کی رو سے ریاستوں اور صدرِ جمہوریہ کے اختیارات محدود کرکے وزیرِ اعظم کو ملک کی تقدیر کا مالک بنا دیا گیا۔ شیخ صاحب نے اس ترمیم کی زوردار

الفاظ میں حمایت کی۔ اس ترمیم سے آئینِ ہند کی دفعہ ۳۷۰ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی اور ریاست کو جو خصوصی پوزیشن حاصل تھی وہ تنگ دامن ہو گئی۔ ان حالات میں نیشنل کانفرنس کا دفعہ ۳۷۰ کے متعلق اندیشہ ظاہر کرنے کی رٹ لگانا محض ایک انتخابی سٹنٹ ہے اور اس سے عوام کو اُلّو بنانے کے بغیر کچھ اور مقصد نہیں۔ خاص کر وزیر اعظم کے اس بیان سے یہ اندیشہ بالکل ہی بے اثر ہو کر رہ گیا ہے جس میں آپ نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ مرکزی سرکار دفعہ ۳۷۰ میں کسی بھی قسم کی ترمیم کرانے کے حق میں نہیں ہے۔

سجدۂ سہو:۔ وزیر داخلہ شری چرن سنگھ سے سرینگر میں اپنی ملاقات کے دوران نیشنل کانفرنس کے لیڈر مرزا محمد افضل بیگ نے اُن خدشات پر معافی مانگی جو وہ دفعہ ۳۷۰ کے متعلق ظاہر کر رہے تھے۔ آپ نے شری چرن سنگھ کو یقین دلایا کہ ان کی جماعت آئندہ اس قسم کے خدشات کی رٹ لگانا چھوڑ دے گی۔

متلوّن مزاجی:۔ شیخ صاحب کبھی ایک موقف پر قائم نہ رہے۔ اوّل تو قدرت نے کسی آدمی کو ایسا ذہن عطا ہی نہیں کیا ہے جو شیخ صاحب جیسے عظیم فلسفی لیڈر کے مؤقف کی تھیوری سمجھ کر دوسرے کو سمجھا سکے۔ پھر شیخ صاحب کی متلوّن مزاجی، متضاد بیانات اور منطقی استدلالات نے دانشور طبقے میں ان کی مقبولیت کا دائرہ تنگ تر کر دیا ہے۔ وہ مذہب اور سیاست کو دو الگ الگ چیزیں سمجھ کر مذہبی آدمیوں کو سیاست میں نہ اُلجھنے کا مشورہ دیتے رہے ہیں لیکن خود سیاسی اسٹیج پر لحن داؤدی میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور حضرت علامہ اقبال رح کے انقلابی اشعار گاتے رہتے ہیں۔ اور جب ضرورت پڑتی ہے تو نیشنل کانفرنس کی مذہبی شاخ کے نیم مُلّاؤں، ختم خوانوں، نکاح نویسوں اور مسجدوں کے اماموں کو انتخابی جنگ میں جھونک دیتے ہیں جو گھر گھر جا کر اور مساجد میں یہ تبلیغ کرتے رہتے ہیں کہ موجودہ انتخابات قرآن اور گیتا کا مقابلہ ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ انتخابات آمریت کے خلاف جمہوریت کی تاریخی جنگ ہے۔ یہ انتخابات ایک ایسا معرکہ ہے جس میں ایک طرف قوم فروش، انتہا پسند اور ہلڑ باز اپنے پر تول رہے ہیں اور دوسری طرف وطن پرست، اعتدال پسند اور جمہور نواز طبقہ اپنے زورِ بازو کا مظاہرہ کر رہا ہے جو زمانے کی دستبُرد سے مدتوں

سے مظلومیت اور محرومیت کی زندگی گذار رہا ہے۔ ایک طرف ہٹلرازم برسرِ پیکار ہے اور دوسری طرف امن پسند اور مُدّت سے دبا ہُوا طبقہ اپنی ساری قوت اور اپنے سارے وسائل کو داؤ پر لگاکر انصاف اور قانون کی بالادستی کے لئے میدان میں کود پڑا ہے۔

شیخ صاحب عوامی اعتماد سے کبھی برسرِ اقتدار نہ آسکے

۱۹۴۷ء میں وہ مہاراجہ ہری سنگھ کے بھاگنے کی وجہ سے کُرسیٔ اقتدار پر قابض ہو گئے۔ ۱۹۵۲ء میں اپنے سمیت تمام کی تمام نشستوں پر اپنے آدمیوں کو بلامقابلہ کامیاب ہونے کا اعلان کردیا۔ ۱۹۷۵ء میں اندرا گاندھی نے آپ کو کشمیر اسمبلی میں چور دروازے سے لاکر انہیں وزیر اعلیٰ بنادیا۔ اور کانگرنس وزارت کو طوعاً وکرہاً اقتدار سے دستبردار ہونا پڑا۔ دُنیا میں جمہور کُشی اور آمریت کی اپنی نوعیت کی یہ پہلی مثال ہے جس کے کردار اندرا گاندھی اور شیخ صاحب تھے۔ شیخ کو اگر عوام کا اعتماد حاصل کرنے میں یقین ہوتا تو وہ ۱۹۷۵ء میں اسمبلی میں چور دروازے سے داخل ہونے کی بجائے جائز اور جمہوری طریقوں سے اقتدار حاصل کرنے کے لئے قسمت آزمائی کرتے جس کا آج کل ان کو چیلنج ہے۔

عزّت و آبرو کا مقام

شیخ صاحب اپنی تقریروں میں ہمیشہ سے قسمیں کھاکر یہ یقین دلاتے رہے ہیں کہ وہ قوم کو عزّت و آبرو کا مقام دلاکر ہی دم لیں گے۔ کشمیر اکارڈ جو شیخ صاحب کی طویل اور جدوجہد سے بھرپور سیاسی زندگی کا نتیجہ ہے اُس سے وہ پا ہی کیا گئے ہیں کہ جس سے کشمیریوں کو عزّت و آبرو کا مقام مِل سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ کشمیر اکارڈ خوددار کشمیریوں کی غیرت اور خودداری کی موت ہے کیونکہ طویل مذاکرات، قدم بوسی اور جبین سائی کے بعد جو کچھ بھی مِلا وہ اُس سے کچھ زیادہ نہ تھا جو جناب سید میر قاسم اور ان کے پیش روؤں کو حاصل تھا۔ دراصل شیخ صاحب کی ڈکشنری میں عزّت و آبرو کے یہ معنی ہیں کہ جب وہ کُرسیٔ اقتدار پر براجمان ہوں تو کشمیریوں کو عزّت و آبرو کا مقام مِل جاتا ہے اور جب لیلائے اقتدار اُن سے فرار ہوجاتی ہے تو کشمیریوں کی عزّت و آبرو نہس نہس ہوجاتی ہے۔

جنتا پارٹی کے امیدوار

کشمیر اسمبلی کی نشستوں کے لئے انتخاب لڑنے والے جنتا پارٹی کے بیشتر امیدوار کشمیر کی سیاسی تاریخ کے

اہم کردار ہیں۔ ان میں سے جناب خواجہ غلام محی الدین صاحب قرہ، جناب عبدالغنی گونی، جناب عبدالغنی لون، جناب شمیم احمد شمیم، جناب مولینا افتخار حسین انصاری، جناب غلام محمد باون اور جناب ڈاکٹر عبدالمجید قابل ذکر ہیں۔

خواجہ غلام محی الدین صاحب قرہ:- آپ تحریک آزادی کے بنیادی رکن اور اہم کردار رہے ہیں اور بہت عرصہ تک شیخ صاحب کے دوش بدوش کام کیا ہے۔ بعد میں سیاسی اختلافات اور شیخ صاحب کی متلون مزاجی کی وجہ سے شیخ صاحب سے الگ ہوکر آپ نے پولیٹیکل کانفرنس کا قیام عمل میں لایا۔ بخشی غلام محمد کے دور میں انہیں کئی بار وزارت کی پیش کش کی گئی مگر آپ نے اسے ہر بار ٹھکرادیا۔ اپنے عم زاد بھائی خواجہ غلام محمد صادق صاحب کے دورِ وزارت میں آپ قید و بند کی زندگی گزار رہے تھے۔ جنتا پارٹی کی ریاستی شاخ قائم کرنے کے بعد آپ نے پارٹی کے مفاد کے لئے انتخاب نہ لڑنے کا فیصلہ کیا تھا مگر پارٹی کے سرکردہ لیڈروں کے اصرار پر آپ نے یہ فیصلہ واپس لے لیا، اب وہ حلقۂ امیراکدل سے جنتا پارٹی کے امیدوار کی حیثیت سے انتخاب لڑ رہے ہیں جہاں نیشنل کانفرنس کے جنرل سکرٹری جناب محی الدین قرہ سے ان کا براہِ راست مقابلہ ہوگا۔

جناب عبدالغنی گونی:- آپ بخشی صاحب کے وقت سے شیخ صاحب کے دو سالہ دورِ اقتدار تک منسٹر یا سپیکر آف اسمبلی کے عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں۔ وہ پارلیمانی امور سلجھانے، قانون دانی اور مجلسی آداب میں خاصی شہرت رکھتے ہیں۔ اس وقت آپ جموں کے حلقہ سے انتخاب لڑ رہے ہیں۔

جناب عبدالغنی لون:- آپ جناب سید میر قاسم کی وزارت میں وزیرِ تعلیم رہ چکے ہیں۔ آپ نے قاسم صاحب سے اختلافات کی بنا پر وزارت کی کرسی ٹھکرا دی اور کانگریس کی بنیادی رکنیت سے بھی مستعفی ہو گئے۔ آپ ہندواڑہ سے انتخاب لڑ رہے ہیں۔

جناب شمیم احمد شمیم:- آپ کشمیر کے شہرۂ آفاق صحافی اور جواں سال ادیب ہونے کے علاوہ پارلیمنٹ کے ممبر رہ چکے ہیں۔ آپ نے ۱۹۷۱ء کے پارلیمانی

انتخابات میں جموں و کشمیر کے سابق وزیر اعظم مرحوم بخشی غلام محمد کو ووٹوں کی بھاری اکثریت سے ہرایا تھا۔ آپ حلقۂ شوپیان سے انتخاب لڑ رہے ہیں۔ آپ کی ادارت اور نگرانی میں سرینگر سے روزنامہ آئینہ کثیر تعداد میں شائع ہوتا ہے۔

جناب مولانا افتخار انصاری :- آپ کشمیر کے ایک عظیم اور تاریخی شیعہ خاندان کے چشم و چراغ ہیں، آپ جموں کشمیر شیعہ فیڈریشن کے صدر ہیں۔ کشمیری شیعوں کی کثیر تعداد آپ کی پیرو ہے۔ آپ مارچ ۱۹۷۷ء کے پارلیمانی انتخابات میں بیگم عبداللہ "اکبر جان" کے مقابلے میں کھڑے ہوئے تھے مگر انتخابات میں دھاندلیاں کر کے انہیں ہرایا گیا۔ آپ پٹن سے انتخاب لڑ رہے ہیں۔

جناب غلام محمد باوَن :- آپ عدالتِ صدر سرینگر کے مشہور وکیل، قانون دان اور میونسپل کمیٹی سرینگر کے ممبر اور پھر ایڈمنسٹریٹر رہ چکے ہیں، آپ کے دل میں قومی خدمت کا جذبہ موجزن ہے اسی لئے قومی مفاد کے خاطر اپنے بڑے عہدے کو ٹھکرا دیا۔ آپ حلقۂ نگین سرینگر سے الیکشن لڑ رہے ہیں۔

جناب ڈاکٹر عبد المجید :- آپ ضلع اسلام آباد کے مشہور ڈاکٹر اور سماجی کارکن ہیں، خدمتِ خلق کے جذبہ کے تحت آپ نہ صرف کامیاب بلکہ محبوب ڈاکٹر ہیں ضلع کے لوگ آپ کی سماجی خدمات کے معترف ہیں اور آپ کے اخلاق و کردار کے پیش نظر آپ کو بھاری اکثریت سے کامیاب بنانے کا عزم کئے ہوئے ہیں۔ آپ حلقۂ پہلگام سے [illegible] انتخاب لڑ رہے ہیں جہاں نیشنل کانفرنس کے مرزا محمد افضل بیگ سے آپ کا براہِ راست مقابلہ ہوگا۔

ان کے علاوہ ضلع سرینگر سے جناب عبد المجید کابلی، جناب سلیم اندرابی اور جناب علی محمد [illegible] جنتا پارٹی کے ٹکٹ پر بالترتیب حلقۂ عیدگاہ، حلقۂ زڈی بل اور حلقۂ زینہ کدل سے انتخاب لڑ رہے ہیں۔ اوّل الذکر دو صاحبان برخواست شدہ اسمبلی کے ممبر رہ چکے ہیں۔ وہ ووٹوں کی بھاری اکثریت سے اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تھے۔

متوقع شکست سے بوکھلاہٹ } **[illegible]**

نیشنل کانفرنس کے کچھ انتہا پسند اور [illegible] اندیش افراد وادی کے طول و عرض میں [illegible] [illegible] لہر دیکھ کر بوکھلا اٹھے ہیں۔ اُن کی تاریخ نعرہ بازی سے پُر ہے، اس میں کم [illegible]

کیا رہ گئی تھی کہ اب وہ کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تک کو اپنی شعبدہ بازی کا نشانہ بنا گئے۔ سیاست کی فیصلہ کن جنگ میں متوقع شکست سے بچنے کے لیئے وہ جنون کی حد تک پہنچ گئے ہیں اور کلمۂ شریف میں تحریف کر کے لا الٰہ الا اللہ شیخ محمد عبد اللہ کے بلند بانگ نعرے دینے لگے ہیں۔

کلمہ ایک نعرہ ہے جس سے ایک آدمی کے مسلمان ہونے اور ایک اللہ کی بادشاہت پر ایمان ہونے کا مظاہرہ ہوتا ہے مگر اس نئے نعرے سے معبود حقیقی سے بغاوت اور شیخ صاحب کو نیا معبود بنانے کا مظاہرہ ہوتا ہے معاذ اللہ من ذالک۔ جو میرے خیال میں خود نیشنل کانفرنس کے سنجیدہ اور اعتدال پسند لیڈر اور لوگ برداشت نہ کریں گے۔

اسلام کی تاریخ میں مسئلۂ ختم نبوت کئی بار سر اٹھاتا چلا آیا ہے جس کی ابتدا مسیلمہ کذاب اور انتہا مرزا قادیانی پر ہوئی۔ کئی سال قبل عالم اسلام نے مرزائیوں کو جو ختم نبوت میں ایمان نہ رکھتے تھے، دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا۔ اس کی پیروی کرتے ہوئے جمہوریہ اسلامیہ پاکستان نے اپنے ملک کے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اس فرقہ کو دائرۂ اسلام سے خارج کرنے کا فتویٰ صادر کرنے میں مفتی اعظم فلسطین جناب امین الحسینی نے اہم کردار ادا کیا۔ پاکستان میں جن علماء نے اس کی تائید کی ان میں پاکستان کے مفتی اعظم جناب مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا ابو الاعلیٰ مودودی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمود، مولانا کوثر نیازی اور جامعہ عربیہ کراچی کے شیخ الحدیث و ناظم اعلیٰ مولانا سید محمد یوسف بنوری مدظلہم وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس فتوے سے ختم نبوت کا مسئلہ ہمیشہ کے لیئے حل ہو گیا۔ اب جو نیا فتنہ اٹھ چکا ہے وہ اللہ کی وحدانیت اور اس کے معبود برحق ہونے سے فرار اور بغاوت ہے جو کلمۂ شریف میں شیخ محمد عبد اللہ کے اضافہ سے عیاں ہے مرزائیوں کا نعرہ اس سے بدرجہا کمتر تھا پھر بھی وہ عالم اسلام کے فتویٰ کے آئینے میں اپنا اسلامی وجود کھو بیٹھے۔ کلمۂ شریف کا دل سے اقرار کرنا اور زبان سے بغاوت کرنا اور سیاسی مقصد حاصل کرنے کے لئے اسمیں تحریف کرنا کفر ہے۔ صفت ایمان میں واضح طور لکھا ہوا ہے کہ اقرار باللسان و تصدیق بالقلب یعنے مسلمان کے لیئے اللہ کی وحدانیت کا دل کی تصدیق کے ساتھ ساتھ زبان سے اقرار کرنا دونوں ضروری ہیں۔ دل کی تصدیق اور زبان کی بغاوت سے مسلمان، مسلمان نہیں رہ سکتا ہے۔

میں تمام مذہبی جماعتوں اور علماء و مفتیانِ کرام سے اپیل کرونگا کہ وہ اس نئے نعرے کے خلاف ایک بھرپور مہم چلائیں اور بے خبر عوام کو اس نعرے کے مشرکانہ اور ایمان سوز پہلو سے آگاہ کریں اور انہیں اس کے سننے سے باز لا کر گمراہی کے دہانے سے بچا کر لائیں۔

شہیدوں کا خون ضایع ہو گیا

شیخ صاحب بارہا اپنا یہ عزم دہراتے رہے ہیں کہ وہ شہیدوں سے کئے گئے وعدوں سے انحراف نہیں کرینگے، انہوں نے وطن کے چمن کی آبیاری کے لئے گرم گرم لہو کی ندیاں بہا کر جو عظیم قربانی دی ہے ہم اُسے رائیگان نہیں ہونے دینگے۔ مگر افسوس ہے کہ شہیدوں کے بے قرار خون سے صرف اپنی آرزوؤں اور مدت سے دبی ہوئی امنگوں کے چمن کو لالہ زار بنا دیا گیا اور کرسی کے حقیر ہوس میں اس عظیم قربانی کا خون کر دیا گیا اور اس طرح یہ لوگ شہیدوں کے اصلی قاتل بن گئے۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ؁

مجھے یاد ہے کہ مرحوم میرواعظ کشمیر حضرت مولینا مولوی محمد یوسف شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے موقعہ پر جامع مسجد سرینگر میں ایک عظیم اجتماع کے سامنے شیخ صاحب نے فرمایا کہ مہاراجہ ہری سنگھ سے مطالبات منوانے کے لئے سات مسلم نمایندے منتخب کئے گئے تھے جن میں سے پانچ تو پہلے ہی فوت ہو چکے ہیں اور اب مولینا کی وفات سے میں اکیلا رہ گیا ہوں اور ساری ذمہ داری مجھ پر پڑی ہے۔ آپنے بڑے اعتماد سے اعلان کیا کہ "قدرت مجھے ابھی تک صرف اس لئے زندہ رکھا ہے کہ میں اپنے ہم وطنوں کو آزادی کی خوشخبری سنا سکوں۔" بڑی جد و جہد کے بعد آپ نے کشمیر اکارڈ کے تحت آزادی حاصل کر کے اقتدار سنبھالا تھا مگر ستم بر ستم یہ ہے کہ زندگی کا یہ متاع اور طویل جد و جہد کا ماحصل کانگریسی ظالموں نے ان سے چھین کر انہیں اسی منزل پہ لا کھڑا کیا جہاں وہ ۱۹۴۷ء سے پہلے تھے۔ اب شیخ صاحب اپنے ہم وطنوں کو خوشخبری سنائیں تو کس چیز کی؟

خدا تعالیٰ شیخ صاحب کو عمر دراز عطا کرے، انہیں جو چار دن ملے تھے وہ تو آرزو اور انتظار میں ہی کٹ گئے۔ اللہ کے یہاں کمی نہیں، وہ آپ کو اور مہلت دے تا کہ وہ کشمیریوں کے لئے "عزت و آبرو کا مقام" حاصل کر سکے اپنے ہم وطنوں کے سامنے سر اونچا کر کے جا سکیں۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ ؁

محمد امین واحدی سرینگر
۲۵ جون سنہ ۱۹۷۷ء

گلشن پریس